پروفیسر انور روماں
مترجم: پروفیسر انعام الحق کوثر

کوئٹہ و قلات ریجن کے براھوئی قبائل

سابق بلوچستان جو کوئٹہ قلات ریجن پر مشتمل ہے، تین مختلف نسلی برادریوں کا حقیقی مسکن ہے جو مغربی پاکستان کے دوسرے حصوں میں بھی بکھری ہوئی ہیں۔ یہ براھوئی پٹھان اور بلوچ ہیں۔ براھوئی مغربی پاکستان کے قلات ڈویژن میں اکثریت میں ہیں۔ پٹھان پشاور اور ڈیرہ اسمٰعیل خاں ڈویژنوں میں غالب ہیں۔ قبائلی علاقہ صرف انہی پر مشتمل ہے، اور وہ سابق پنجاب کے مغربی اضلاع میں بھی خاصی تعداد رکھتے ہیں۔ بلوچ کثیر تعداد میں سابق سندھ، کوئٹہ اور قلات، بہاولپور، ملتان اور ڈیرہ اسماعیل خاں میں سکونت پذیر ہیں۔ ملک کی آبادی کا جائزہ لیتے ہوئے ان تینوں نسلی گروہوں کی اہمیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ تخمیناً یہ گروہ مغربی پاکستان کی کل آبادی کا ۲۳ فیصد ہیں۔ یہ تینوں طبقے ہمارے سرحدی علاقوں میں کثرت سے ہیں۔ یہ سرحدی علاقے روس، افغانستان، اور ایران سے ملحق ہیں۔ اس لیے فوجی یا جنگی اعتبار سے یہ ایک اہم مقام کے مالک بن جاتے ہیں۔ بلوچستان کا تاریخِ پاکستان میں وہی مقام ہے جو عرب کا تاریخ افریقہ و ایشیا میں ہے۔ یہ ان تینوں طبقوں کا حقیقی مسکن نہیں لیکن جاٹ جو کہ یہاں جدگال مشہور ہیں اور مغربی پاکستان میں واحد بڑی برادری ہے، بلوچوں کی آمد سے پہلے اس سرزمین میں رہے ہیں اور حکومت کی ہے۔ بلوچوں نے ان کو سندھ، بہاولپور، پنجاب اور راجپوتانہ تک دھکیل دیا۔ قلات کے ضلع کچھی میں وہ اپنے آثار چھوڑ گئے۔ (اگر جاٹ سیتھی ہیں اور جیسا کہ غالباً وہ ہیں تب ان کا بلوچستان میں قیام اور حکومت یقیناً ایک ہزار سال سے زائد ہے)۔ یوں بلوچستان علم الانساب کی رو سے مغربی پاکستان کی ایک اہم برادری کا گہوارہ رہا ہے۔ اور اس طرح یہاں کے حالات کا مطالعہ ناگزیر ہو جاتا ہے۔

آبادی

۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے مطابق کوئٹہ قلات ڈویژنوں میں براھوئی آبادی ۲،۶۲،۲۶۳ (۱) تھی۔ (۱) ان کے بڑے بڑے قبیلے چھوٹے چھوٹے حصوں میں منقسم ہیں جن کو مقامی طور پر پھلی (شاخیں)

۱۔ یہ آبادی کوئٹہ ڈویژن میں ۶۴،۷۸۲ تھی۔ جس کی ضلع وار تفصیل یہ ہے:

گوشوارہ نمبر ۱

کوئٹہ پشین	=	۲۰،۳۴۱
سبی	=	۲۰،۷۸۴
چاغی	=	۲۰،۴۰۹
لورالائی	=	۲،۹۰۴
ژوب	=	۴۴۴
		۶۴،۷۸۲

گوشوارہ نمبر ۲

بلوچستان کی ریاستوں کی یونین میں براھوئی ۱،۹۷،۴۸۱ تھی

تفصیل

قلات	=	۱،۴۸،۴۷۶
لس بیلہ	=	۷،۲۰۲
خاران	=	۲۰،۲۹۳
مکران	=	۲۱،۶۱۰
		۱،۹۷،۴۸۱

مجموعہ = { ضلع وار = ۶۴،۷۸۲
ریاستیں = ۱،۹۷،۴۸۱ }
۲،۶۲،۲۶۳

گوشوارہ نمبر ۳

قبیلہ وار آبادی (آبادی کے تناسب سے گوشوارہ پیش کیا جا رہا ہے)

۱۔ مینگل بمعہ ذگر مینگل (۹،۹۲۶)	=	۴۹،۹۹۳
۲۔ زہری	=	۳۹،۰۰۹
۳۔ محمد حسنی	=	۲۶،۰۵۵
۴۔ بزنجو	=	۱۴،۲۱۹
۵۔ شاہوانی	=	۱۲،۳۱۳
۶۔ لانگو	=	۱۰،۸۹۳
۷۔ جنگل زئی	=	۱۰،۷۱۳

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کہتے ہیں۔ بنیادی طور پر براہوئی اتنے زیادہ قبیلوں میں تقسیم ہوئے نظر نہیں آتے۔ آبادی کی زیادتی یا سیاسی اختلافات یا کسی شخصیت کی قوت نے انھیں حقیقی قبیلہ سے ایک شاخ میں منتقل کر دیا۔ درحقیقت احمدزئی (تعداد ۵۳۹) قمبرانیوں کا ایک حصہ تھے۔ لیکن جونہی میر احمد خان اوّل (۹۵-۱۶۶۶ء) دوسرے قبائلی سرداروں سے ممتاز ہوا، اور مضبوطی سے زمام دولت سنبھالی تو اس کے جانشین سردار خیل بن گئے اور ایک آزاد قبیلہ کی صورت اختیار کی۔ ایلتازئی سیاسی اختلافات کی بنا پر احمدزئیوں سے جدا ہوئے۔ میر نصیر خاں اول نے ۱۷۶۶ء میں ذگر مینگلوں کو ضلع چاغی میں منتقل کیا تاکہ ان کی موجودگی معاندانہ رویہ رکھنے والے قبائل کے حملوں میں مزاحم ہو سکے(۱)۔

(گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ)

۸- لہڑی	=	۸،۶۱۷	۱۸- پندرانی	=	۳،۰۷۱
۹- سالانی	=	۸،۴۴۸	۱۹- گرگ ناڑی	=	۲،۹۴۰
۱۰- ساجدی	=	۶،۵۰۲	۲۰- ہارونی	=	۲،۳۲۵
۱۱- میرواڑی	=	۶،۴۷۷	۲۱- ساتکزئی	=	۱،۹۷۹
۱۲- کرد	=	۵،۹۹۱	۲۲- رودینی	=	۱،۸۱۹
۱۳- قلندرانی	=	۵،۵۰۶	۲۳- نچارزی	=	۱،۶۷۵
۱۵- قمبرانی	=	۴،۲۰۶	۲۴- رستم زئی	=	۷۱۳
۱۶- رئیسانی	=	۴،۰۰۶	۲۵- احمدزئی	=	۵۳۹
۱۷- سرپرہ	=	۳،۳۳۶	۲۶- ایلتازئی	=	۱۷۸
			۲۷- مختلف براہوئی قبائل	=	۲۶،۰۷۱

میزان = ۲،۶۲،۴۶۳

بحوالہ "بلوچستان" (ملک صالح محمد) ص ۴۷، ۴۸

۱- تاریخ بلوچستان، میر گل خان نصیر، جلد اول، ص ۱۵۰

اساسی براھوئی آبادی جس نے کہ سولھویں صدی کے اوّل میں میر عمر کی رہنمائی میں ریاست کی تعمیر کا تجربہ شروع کیا۔ وہ تعداد میں دس ہزار سے زائد نہ ہوگی۔ اور چند ہی قبائل (مثلاً قمبرانی، میروانی، سمالانی، گرگ ناڑی اور قلندرانی) میں منقسم تھی ——— (ان کو بہ ہیئت مجموعی خان کے الوس (شاہی قبیلہ) یعنی بنیادی ستارے کہتے تھے۔ ان میں عرب اور منگول خون کی خاصی آمیزش تھی۔ ان کی تعداد براھوئی آبادی میں تقریباً گیارہ فی صد بن جاتی ہے) ہوسکتا ہے براھوئی ایک کھوئی ہوئی یا گم شدہ برادری کی حیثیت اختیار کیے رکھتے۔ اگر آٹھویں تا دسویں صدی میں عربوں اور تیرھویں تا پندرھویں صدی میں منگولوں میں جذب نہ ہوتے جن سے نئے خون کی آمیزش ہوئی۔ اور وہی دست راست بنے۔ جب یہ برادری (براھوئی) قلات کی قدیم تہذیب کو جذب کر چکی۔ عربوں اور منگولوں کو اپنا چکی، اور کامیابی سے بلوچوں، آرغونوں اور مغلوں کے قتل و غارت کا مقابلہ کر چکی تو سترھویں صدی میں میر احمد خان اول کے تحت فاتحانہ انداز میں ابھری۔ موجودہ غیر براھوئی قبائل میں سے زیادہ تر جاٹوں نے اپنے آپ کو اس میں مدغم کر لیا اور یوں ان کی آبادی میں اضافہ ہوگیا۔ بعد ازاں کچھ پٹھان اور بلوچ قبیلے بھی ان کی سرزمین میں آباد ہوگئے اور انہی کی زبان و تہذیب کو اپنا لیا۔ اس طریقہ سے موجودہ براھوئی آبادی کی ہیئت متعین ہوسکی۔ اگر موجودہ براھوئی آبادی کا نسل یا علم الانسان کے لحاظ سے تجزیہ کیا جائے تو اس امر کا انکشاف ہوگا کہ غیر براھوئی جو بعد میں براھوئی بنے وہ غالب ہیں۔ تعداد کے اعتبار سے مینگل پہلے ۹۲۰،۴۹ افراد کے ساتھ شامل ہوئے وہ منگول ہیں۔ دوسرے زہری ہیں جو ۹۰۰،۳۹ افراد کے ساتھ آئے۔ وہ بنیادی طور پر افغانستان سے منتقل ہوئے اور یہاں اقامت پذیر ہوئے۔ تیسرے محمد حسینی ہیں جنھوں نے ۵۰۰،۲۶ افراد کے ساتھ شرکت کی۔ انھوں نے ایران سے ہجرت کی اور شیعہ تھے۔ محمد حسینی یا محمد حسنی کہلاتے تھے۔[۱]

۱۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا ۱۹۵۰ء ایڈیشن حصہ سوم، ص ۱۔ تاریخ بلوچستان از ہتورام، ص ۵۴۷

چوتھے بزنجو (جنگجو کی تبدیل شدہ براھوئی صورت) جو رند بلوچوں کی ایک شاخ ہے۔ پانچویں شاہوانی جو شاہو بلوچ کے جانشین ہیں۔ علاوہ ان کے لڑی جو بھر رند بلوچوں کی ایک شاخ ہے۔ رئیسانی قندھار سے منتقل ہوئے اور تورترین افغان قبیلہ سے متعلق ہیں[۱]۔ کرد صریحاً کردستان سے آئے۔ بنگل زئی بھی رند بلوچ ہیں۔ اسی طرح محمد شاہی لانگو[۲] بھی نسبتی اعتبار سے بلوچ ہیں[۳]۔ یوں براھوئی آبادی کا تقریباً بہتر فی صد اساسی طور پر غیر براھوئی ہے۔ اگر مزید تفصیل مل سکے تو یہ قیاس

۱۔ تاریخ بلوچستان، ہتورام، ص ۲۲۲ و ۵۴۷

براھوئی قبیلہ	منبع	تعداد
۱۔ مینگل	منگول	۳۹۱،۹۹۳
۲۔ زہری	افغان	۳۹،۰۰۹
۳۔ محمد حسنی	ایرانی	۲۶۰،۰۵۵
۴۔ بزنجو	بلوچ	۱۴۰،۲۱۹
۵۔ لڑی	بلوچ	۸،۶۱۷
۶۔ شاہوانی	بلوچ	۲۰،۳۱۳
۷۔ رئیسانی	افغان	۴۰،۰۰۶
۸۔ کرد	کرد	۵،۹۹۱
۹۔ بنگل زئی	بلوچ	۱۰،۷۱۳
۱۰۔ محمد شاہی	بلوچ	۴۰،۸۷۹
۱۱۔ لانگو	بلوچ	۱۰،۸۹۳
۱۲۔ سرپرہ	افغان	۳۰،۳۲۶
	میزان =	۱۰۹۰،۰۲۴

۲۔ ایم۔ ایس خاں بلوچ۔ ہسٹری آف بلوچ ریس اور بلوچستان، ص ۲۶۸۔ ۳۔ یہ ضروری ذہن میں رکھنا (باقی اگلے صفحہ پر)

کیا جا سکتا ہے کہ شاید غیر براہوئی گروہوں کی تعداد بہتّر فی صد سے بھی زیادہ ہو۔ اس طرح حقیقی براہوئی گروہ بہت محدود اقلیت میں رہ جاتا ہے۔ علاوہ اس کے غیر براہوئی تعداد ہی میں غالب نہیں بلکہ براہوئی خوانین کے لیے انھوں نے منتظم اور سپاہی بھی عطا کیے۔ اس سلسلہ میں خاص طور پر مینگل، رئیسانی، زرکزئی (زہری) اور لہڑی قابل ذکر ہیں۔

ایک اور حقیقت یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مینگل اور محمد حسنی شیعہ تھے۔ جب کہ افغان سُنّی۔ پھر بھی وہ صدیوں تک اکٹھے سکونت پذیر رہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے مابین فرقہ پسندی کا امتیاز اٹھ گیا۔ وہ نہ ہی شیعہ رہے اور نہ ہی سُنّی بلکہ صرف مسلمان۔ دراصل ملّاؤں کی جماعت ہی فرقہ پرستی کو زندہ رکھنے اور ہوا دینے کی ذمہ دار ہے اور براہوئی عوامی ادب میں اس گروہ سے بڑی نفرت کا اظہار کیا گیا ہے۔[۱] براہوئی کشادہ دل اور وسیع مشرب ہیں۔ یہ خصائص ان کی آبادی کے مختلف العناصر مجموعے اور اُن کے سماجی نظام کا نتیجہ ہیں۔

سماجی و سیاسی نظام

براہوئی سماجی نظام پٹھانوں کے نظام کی طرح بے لوچ اور غیر تغیر پذیر نہیں۔ اس کے فیصلہ کن خصائص لچک دار اور پھیلنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ مختلف النوع حصوں میں بٹا

(گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ) چاہیے کہ یہ قبیلے لازماً ان نسلی گروہوں سے جن کا ذکر ان کے بالمقابل کیا گیا مشتق نہیں ہیں۔ بلکہ ان میں عربوں اور جاٹوں کے عناصر (جزو ترکیبی) بھی خاصے ہیں۔ مثلاً زہریوں میں عرب قریشی عنصر اور بزنجوؤں میں جاٹوں کے چینل اور مونگ عنصر وغیرہ موجود ہیں۔ . . . . . . حوالہ ایضاً، ص ۲۶۸

۱۔ مثال کے طور پر بہادر خاں کی سرگذشت، لے براہوئی ریڈنگ بک حصہ دوم۔ میئر۔ لدھیانہ ۱۹۰۰ء۔ ملا منصور کی کہانی براہوئی، بلوچی اور پنجابی زبانوں کی گرامر کا نچوڑ، از بیج، لاہور، ۱۹۰۰ء

رہا ہے اور دوسروں کو اپنے اندر مدغم کرنے کا اشتیاق رکھتا ہے۔ اسی ادغام کے عمل میں اکثر غیر محسوس انداز میں اس میں اصلاح اور درستی ہوئی ہے۔ لیکن اس کے مبادی عام طور پر یکساں رہے ہیں۔[1] یہ مبادی وطن، زبان، تہذیب، رواجی قانون سے وفاداری، جنگ اور دفاع کے لیے رضاکارانہ خدمت پر مبنی ہیں۔ براھوئی وطن اندازاً اس تمام علاقے بالخصوص ایرانی سطح مرتفع کی مشرقی ڈھال پر مشتمل ہے۔ جھالاوان سب سے پہلا براھوئی گھوارہ ہے۔ سارا وان، مکران، لس بیلہ، کچھی، کوئٹہ پشین اور سبی وغیرہ بعد میں براھوئی تہذیب کے زیر اثر آئے۔ اپنے وطن سے وفادار ہونے کے علاوہ اُسے ضرور اپنی زبان سے وفاکیش ہونا چاہیے، جو نظری طور پر فارسی سے قریب ہے، اگرچہ بنیادی طور پر یہ دراوڑی ہے۔ اسے ضرور براھوئی اندازِ حیات اور 'دستور' کا وفادار ہونا چاہیے وہی 'دستور' جو شادی غمی کو باضابطہ کرتا اور کاشت کاری، فن باغبانی، گلہ بانی میں مددگاروں کی ملازمت اور جارحانہ اقدام کی سزا کو ظاہر کرتا ہے۔ اسی کے تحت قبائلیوں کو اپنے سرداروں کی اطاعت اور بالآخر خان کا وفادار رہنا پڑتا ہے۔ علاوہ ازیں اُسے ضرور اپنے ملک کو جارحانہ حملے سے بچانا چاہیے۔ تمام قبائل مینگل سے لے کر سرپرہ تک جو براھوئی اثر سے متاثر ہو کر اُسی برادری میں مدغم ہوئے انھوں نے ان وفاداریوں کو اپنے ایمان کا جزو بنا لیا۔ اور یوں براھوئی قومیت میں سما گئے۔ آج ایک مینگل یا ایک زہری اتنا ہی اچھا براھوئی ہے جتنا قمبرانی یا میروانی۔ ضلع کچھی میں جہاں کہ جاٹوں کی اکثریت ہے وہاں براھوئی قومیت کو جزوی طور پر قبول کیا گیا ہے۔ کیونکہ جاٹوں نے جو اکثریت کا گروہ ہے اور بلوچی قبیلوں مگسی، رند، لشاری، ڈومکی اور بلیدی نے وطن سے وفاداری اور لڑائیوں میں شرکت کے باوجود اپنی زبان اور تہذیب کو محفوظ رکھا ہے۔ اسی قلیل مقدار کو میر نصیر خان اوّل

۱۔ براھویوں کے تنگ اور محدود جذبہ نے قومی یا تہذیبی حیات کی تعمیر کی کوششوں میں کبھی بلوچوں کو اپنے ساتھ ہم آہنگ نہ کیا۔" (ایم۔ ایس خاں بلوچ، ص ۱۲۴)

قبول کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ چنانچہ اُس نے اپنے محبوب تصوّر یعنی براھوئی ریاست کو زیادہ وسیع خطوط پر استوار کیا۔ یہ نیم براھوئی کلچر سے متاثر عنصر تقریباً ایک لاکھ افراد پر مشتمل ہے اور زیادہ تر کاشتکاری کی طرف مائل ہے۔ اس کے برعکس براھوئی زیادہ تر راعی اور چوپان ہیں۔ یوں براھوئی سماجی نظام اپنی پھیلنے کی صلاحیت کے ساتھ ساتھ صاف پہچانا جا سکتا ہے۔ اور واضح نشان وہی ہو سکتی ہے۔ یہ اس کے مستقل بچاؤ کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔ اسی لیے بظاہر براھوئی بلوچوں کی طرح ایک سیاسی ہستی کے مالک ہیں اور اُن کا اپنا نظام ہے جو بلوچوں کی مثل لچکدار ہے[1]۔ براھوئی اور کافی حد تک بلوچ اپنے سرداروں کے ساتھ گہرے تعلق کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ لیکن یہ مشابہت یہاں ختم ہو جاتی ہے۔ براھوئی لازمی طور پر ایک علاقائی دمقامی علاقے سے مختص تنظیم یا جمعیت ہے۔ وہ طبعاً اپنی قلمرو سے لو لگائے رہتے ہیں۔ اپنی زبان بولتے ہیں۔ اپنے دستور پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ اپنی قلمرو کی حفاظت کرتے ہیں۔ اور مزید وسعت کے لیے آلۂ کار کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اس کے برعکس بلوچ ایسی 'مقامیت' ظاہر نہیں کرتے۔ انھیں نہ جارحانہ اور نہ ہی مدافعانہ فرائض ادا کرنے پڑتے ہیں۔ نہ ہی انھیں ایسی زبان سے لگاؤ ہے جو خاص طور پر کسی علاقہ تک محدود ہو۔ وہ بنیادی طور پر ایک سماجی جمعیت ہیں۔ اس کی اہمیت نہیں کہ وہ کونسی زبان بولتے ہیں اور کس علاقہ سے لو لگائے ہوئے ہیں۔ لہٰذا بلوچ براھویوں کے مقابلہ پر آپس میں کم مربوط ہیں۔ لیکن اُن سے زیادہ جامع ہیں۔ اور اُن سے بیشتر روشن خیالی کی طرف مناسبت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ان دونوں کے مدِمقابل پٹھان نہایت باضابطہ نسلی تنظیم ہیں۔ یہ جماعت جو بے لوچ، ناقابلِ تغیّر، شدید جمہوری اور سماجی مساوات میں یقین رکھنے والی ہے۔

براھوئی سیاسی نظام، براھوئی سماجی انداز سے نہایت قریبی اور گہرا رشتہ رکھتا ہے۔

۱۔ امپیریل گزٹیئر آف انڈیا حصہ ششم، ص۲۹۰

براہوئی جماعتی یا طبقاتی سیاست کا بلوچوں کی طرح ایک عجیب پہلو یہ ہے کہ اقلیت کا ایک قبیلہ احمد زئی بہت سے براہوئی قبائل پر ہی نہیں بلکہ کافی بلوچوں، اور جدگالوں (جاٹوں) پر حکومت کرتا رہا ہے۔ درحقیقت یہ سابق بلوچستان کے سردارخیلوں کے لیے مہر تصدیق ثبت کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ بلوچوں سے متاثر شدہ راجپوت اور گچکی (تقریباً ۲۵۰۰ مکران میں) ایک لاکھ اڑتیس ہزار کی آبادی پر غالب رہے ہیں۔ خاران ریاست کے نوشیروانی جو صرف نو خاندانوں سے عبارت ہیں ۵۵ ہزار لوگوں پر حکمرانی کرتے رہے ہیں۔ بالکل یہی معاملہ لس بیلہ کے ملیانی جاٹوں کے ساتھ پیش آیا۔ لیکن ان اقلیتی گروہوں میں سب سے زیادہ پیش قدم اور طاقت ور قلات کے احمد زئی تھے۔ جن کی تعداد (۵۳۹) نہایت معمولی تھی۔ اور وہ صدیوں تک سارے قلات، لس بیلہ، مکران اور خاران پر حکومت کرتے رہے۔ وہ میر نصیر خاں اول کی سرداری میں سندھ کے تالپوروں کو نیچا دکھاتے رہے۔ اور ایرانی سرحدوں پر فتوحات بھی کیں۔ یوں محض یہ حقیقت ہی کہ ان اقلیتوں نے قبائل پر اپنی گرفت جمائے رکھی' دستور' کی بے پناہ تعریف کو اجاگر کر دیتی ہے۔ یہ براہوئی حکومت کی باطنی ترکیب و ساخت کا اتا پتا بھی بتاتی ہے کہ دو اصولوں کی عملداری رہی۔

اولاً یہ کہ خانوں نے بجز چند ایک کو مستثنیٰ قرار دے کر جن میں میر محابت خاں، میر ایلتاز خاں، میر محراب خاں دوم اور میر خداداد خاں، کبھی یہ کوشش نہ کی کہ وہ قبائلی سرداروں پر اپنے اقتدار کو حق کی حیثیت سے منوائیں۔ یا اپنے نظام حکومت کو زیادہ مرکزی حیثیت دیں یا براہ راست قبائلیوں سے راہ ورسم اور رابطہ پیدا کریں۔ خانوں کی حکومت کا نظام ڈھیلا ڈھالا تھا۔ اور سرداروں کے علاقائی اختیارات کو بلا تحریک غیر تسلیم کیا جاتا تھا۔ خانوں کا مقولہ یہ تھا کہ "خان تمندار کے لیے وہی کچھ ہے جو تمندار اس کے اپنے مقدم کے لیے ہے"[1]۔

ثانیاً خان اپنا، قبیلوں کی معاشی دلچسپی کی خاطر سب سے مقدم فرض یہ گردانتا تھا کہ وہ تاخت

۱۔ ہیتو رام، ص ۲۷۴

دتاراج اور مختلف علاقوں کی فتوحات کی سرپرستی کرے اور اُن علاقوں سے صرف سے زیادہ محصولات حاصل کیے جائیں۔ فتح کردہ علاقوں کو قبائل میں ہمیشہ کے لیے بغیر کسی باج کے منقسم کردیا جاتا۔ اس طرح وہ بالواسطہ اپنی رعایا سے پہچانا جاتا۔ درحقیقت یہ ہمیشہ خان کی خارجی واقعیت پسندی ہوتی کہ وہ قبیلوں کے رواجی لوٹ مار کے حق کی باقاعدہ منظوری دید یتا۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے بغیر معاملہ برعکس ہوجاتا یا وہ باہمی آویزش ہی کے باعث ختم ہوجاتے۔"[1]

یہی 'دستور' کی طاقت تھی کہ جب قبیلوں کو خان کی اطاعت کرنی پڑتی تو وہ اس کے عوض لوٹ مار کی ہوئی چیزوں کو برابر تقسیم کر دیتا۔ اس اعتبار سے براھوئی اتحاد منگول حکومت اور مرہٹہ جتھہ سے مشابہت رکھتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ فتح پانے والوں کو تمام حقوق سے بیدخل کر دیا جائے۔ براھوئی نہ تو منگولوں کی طرح خون آشام تھے اور نہ ہی مرہٹوں کی مثل فریب کار اور حیلہ باز تھے۔

خانوں کی حکومت کی نوعیت کے بارے میں خاصی الجھن رہی۔ انگریزوں نے اس مسئلہ کی ترکیب وہیئت کا اختصار ایک لفظ میں کرنے کی کوشش کی۔ آیئے اسے براھوئی تاریخ میں سے آشکار کرنے کی سعی کریں۔ خانوں کی حکومت ۱۹۴۷ء تک تین قسم کے اجزا سے عبارت رہی۔ ۱۔ تغیر پذیر ۲۔ دل پسند۔ ۳۔ غیر تغیر پذیر۔

اقتدار واحد کی حکومت کے تمام نظام زیادہ تر فرمانروا کی شخصیت پر منحصر رہے ہیں۔ اگر وہ کمزور اور غیر مستقل مزاج کا مالک ہوتا تو اس کا دربار چاپلوسوں کا حقیقی مجموعہ بن جاتا۔ جس کے نتیجہ میں عوامی اور فوجی نظام روبہ انحطاط ہوتا۔ قبائلی سرداروں کے اختیارات میں خطرناک حد تک توسیع ہوجاتی اور ایک عام سماجی، معاشی ردوبدل ظہور پذیر ہوتا اور بالآخر خارجی حملے سے دوچار ہوناپڑتا۔ اگر وہ آمرانہ ذہنیت کا مالک ہوتا تو سردار وقتاً فوقتاً بغاوت کرتے رہتے۔ لیکن اگر وہ

۱۔ تاریخ بلوچستان حصہ اول، ص ۲۹

فرض شناس، محنتی، علاقائی سالمیت کا محافظ، اعتدال پسند، ترقی پذیر، چاق وچوبند اور اپنے فوری اور بنیادی دقطعی، ماتحتوں کے احساسات کی طرف متوجہ ہوتا تو عام طور پر ہر دلعزیز ہو جاتا۔ پہلی قسم کی نمائندگی میر ایلتاز خاں، میر محراب خان دوم اور میر محمود وغیرہ کرتے ہیں۔ دوسری قسم کا نمائندہ میر نصیر اوّل ہے۔ اس طرح حکومت کی قسمت زیادہ تر خوانین کی ذاتی سیرت پر مبنی تھی۔ جن میں چند واقعی عظیم انسان تھے اور دوسرے محض معمولی شخصیت کے مالک تھے۔ اس ہنگامی اور نظری نظام کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں کوئی مسلسل ترقی اور تدریجی ارتقا نہ ہو سکا۔ چنانچہ یہ ریاست ترقی اور تنزل، نظم اور بدنظمی کے درمیان ہچکولے کھاتی رہی۔

دوسرا عنصر ماحول سے متعلق ہے۔ ایران، افغانستان اور برطانوی ہند میں گھری ہوئی ریاست قلات ان علاقوں سے اٹھنے والی سیاسی اور فوجی تحریکوں کا شکار ہو گئی۔ درحقیقت ان ممالک کی شورشوں کے مقابل خان کے انفرادی کردار کی آزمائش کا اس سے زیادہ کٹھن موقع کبھی پیش نہ آیا تھا۔ یہ بدیہی امر ہے کہ اسے ان طاقتور حکومتوں کے آگے جھکنا پڑا۔ لیکن اس کی قابلیت کا انحصار اس بات پر تھا کہ وہ کس حد تک اپنی آزادی کو برقرار رکھ سکتا ہے۔ اپنے تحتی اتحاد سے بہتر طور پر فائدہ اٹھا سکتا ہے اور اپنے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ مطمئن رکھ سکتا ہے۔ دیگر علاقوں کے اکثر مسلمان فرمانرواؤں کی مانند ان خانوں کو بھی حرم رکھنے کی عادت تھی۔ جن پر یقیناً مالیات کا معتدبہ حصہ صرف ہوتا ہوگا۔ شریعت یا دستور کے مطابق بیگمات کے علاوہ داشتاؤں کے انبوہ ان کی حرم سراؤں میں موجود رہتے۔ ان کی بیگمات بالعموم محمدزئی افغانوں، مکران کے گچکیوں اور قلات کے دوسرے سردار خیلوں سے متعلق ہوتی تھیں اور آخر الذکر حرم سرائیں جاٹوں، دہواروں اور دوسرے پسماندہ عناصر سے تعلق رکھتی تھیں جو ادنیٰ سماجی درجے کے لوگ تھے۔ یہ قریباً رواج ہی بن گیا تھا کہ تخت کا وارث داشتہ کی بجائے بیگم ہی سے ہم لے۔ چنانچہ میر محمود خاں دوم کے تمام بیٹے اپنے بھائی میر اعظم جان کے حق میں دستبردار ہو گئے کیونکہ وہ داشتاؤں کے لخت جگر تھے۔ لیکن بسا اوقات اس

رواج سے بے نیازی بھی برتی گئی۔ میر مہابت خاں ایک جاٹ ماں کا بیٹا تھا۔ اس حقیقت کی وجہ سے لازمی طور پر سردار مخالفت کی داغ بیل نہ ڈالتے اگر وہ ان کے ساتھ تعلقات کے معاملہ میں زیادہ ہوشیاری اور چالاکی سے کام لیتا۔ علاوہ اس کے عام طور پر خان کا سب سے بڑا بیٹا ہی تخت کا وارث سمجھا جاتا۔ کہیں کہیں اس اصول سے بھی انحراف کیا جاتا۔ مثلاً میر سمندر میر محراب اوّل کا جانشین ہوا کیونکہ اس کے بیٹے نابالغ تھے۔ اور میر احمد یار ۱۹۳۳ء میں اپنے بڑے بھائی اکرم جان کی بجائے تخت نشین ہوا کیونکہ وہ دماغی تعاون کھو چکا تھا۔

اخیر میں خان کی گدی سنبھالنے کے لیے چند اور بھی شرائط کی ضرورت ہے۔ جس پر حکمران خان پورا اتر سکے۔ نیا خان انتظامی امور کی دیکھ بھال کی صلاحیت رکھتا ہو، اور جسمانی طور پر بالکل موزوں ہو۔ ثانیاً وہ ہر حالت میں دستور جو" براھویوں کا محافظ فرشتہ" ہے پر جا رہے۔ اسی کے پیش نظر اس پر یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ وہ سرداروں کے حقوق کا احترام کرے۔ ریاست کی سالمیت کی حفاظت کرے اور اپنی رعایا کی معاشی دوڑ کے لیے سرداروں کی امداد کے ساتھ یا ان کے بغیر راہیں ڈھونڈے۔ اُسے ضرور احمدزئی ہونا چاہیے۔ حکمران خاندان کے ساتھ وفاداری براھوئی سیاسی یقین کی سب سے اہم شرط ہے اور اسی کے باعث ۱۶۶۶ء سے لے کر قلات کے تخت پر کوئی غیر احمدزئی قابض نہیں ہو سکا۔ احمدزئیوں کا مستقل یقین براھویوں کے اس 'دستور' کے ساتھ ہم آہنگ ہو جاتا ہے کہ وہی صرف حکمرانی کی اہلیت رکھتے ہیں۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے دہلی کے تخت حکومت کے بارے میں البری ترکوں کا عندیہ تھا۔ جو نظریہ، پالیسی، اور علاقائی نظم و نسق کے اعتبار سے احمدزئیوں سے بنیادی طور پر مماثلت رکھتے تھے۔ اور یہ یقین بغیر کسی دلیل کے نہ تھا۔

احمدزئی حکومت کی مسلسل کامرانی ریاست کی خاص جغرافیائی صورت حال اس کی غیر یقینی معاشی حالت اور براھوئی قانون جانشینی کی مرہونِ منت ہے۔ جس کے تخت کے وارث کو مسند پر جلوہ افروز ہونے کے لیے چند باتوں پر پورا اترنا پڑتا ہے۔ کم و بیش یہی شرائط قلات کے

سرداروں کے چناؤ کے لیے بھی ہیں۔ انھیں صرف غیر ملکی تعلقات سے کسی قسم کا کوئی سروکار نہیں اور یہ صرف تنہا خان کی عملداری میں آجاتے ہیں۔

جو حقائق اوپر بیان کیئے گئے ہیں اُن سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ خانوں کی حکومت ایک حد تک چناؤ پر مبنی رہی ہے۔ اگرچہ خان کو نامزد ہی کیا جاتا، تاہم اسے پہلے منتخب کرتے اور سرداروں کی مجلس عام میں منظور کیا جاتا۔ اس کے اختیارات 'دستور' کے مطابق محدود ہوتے اور سردار اپنے اپنے قبیلہ کے مالک سمجھے جاتے۔ وہی ان کے جھگڑوں کو چکاتے۔ انصاف روا رکھتے۔ علاقائی دفاع کے لیے انتظام کرتے اور اپنے اپنے قبیلہ والوں سے واجبات وصول کرتے۔ خان بھی یہی اختیارات ساری ریاست پر استعمال کرتا۔ اسے اپنی اساسی براھوئی آبادی یا براھوئی بنیادی ستاروں پر خصوصی اختیارات حاصل تھے۔

براھویوں کی نسلی حالت

براھویوں کے بارے میں عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ان کا سرچشمہ ترکی ایرانی ہے لیکن حال ہی میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ زمانۂ قبل از تاریخ تک ان کے بارے میں کھوج لگایا جائے مولانا ابوالجلال ندوی یہ چاہتے ہیں کہ ہم یقین کر لیں کہ وہ "وادیٔ سندھ کے لوگوں کے جانشین تھے"۔[1] وہ بحیرۂ روم کے سواحل کے دراوڑی تھے۔ اس لیے ان کا ماخذ سامی ہے۔ ابوالجلال ندوی کے بعد براھوئی ادیب نور محمد پروانہ اسی راہ پر گامزن ہوا۔ جس نے دراوڑیوں کی نسلی شناخت کے متعلق قطعی طور پر کہا کہ "براھوئی وادیٔ سندھ کے لوگوں کے اخلاف ہیں"۔[2] اُن کی قدامت کے بارے میں ہمیں کوئی بھی رقم کردہ شہادت دستیاب نہیں ہوتی۔ اُن کی زبانی روایات

۱۔ ماہِ نو۔ استقلال نمبر ۱۵۶۔ سندھی مہریں از مولانا عبدالجلال ندوی، پہلی قسط، ص ۲۸

۲۔ امروز سنڈے ایڈیشن، ۱۰ مئی ۱۹۵۹ء

جو ان کی تاریخ، ادب اور تہذیب کی پشت پناہ ہیں اس راز کو حل کرنے میں ہماری مدد نہیں کرتیں۔ تاہم دراوڑیوں کے ساتھ لسانی مشابہت اور چند دیگر خصائص جن میں سے ایک اپنے سرداروں کے ساتھ سعیانہ لگاؤ اور نور محمد پروانہ جسے "اجنبیت کا ناقابلِ توجیہ رویہ کہتا ہے" کا جائزہ لیتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ براہوئیوں کا اصل جوہر دراوڑی ہے۔ انھوں نے قلات کے پہاڑوں میں غیض وغضب سے بچنے کے لیے پناہ لی جو بالآخر مشرق کی طرف چلے گئے اور بعد میں وادیٔ سندھ کے لوگوں سے مغلوب ہوگئے۔ جاٹوں نے (تقریباً ۱۰۰ ق۔م) بلوچستان کو عبور کرنا شروع کیا۔ اور اپنی حکومت ان دراوڑیوں پر ٹھونپ دی۔ دراوڑی اپنی تہذیب سے چپکے رہے، اور نو واردوں یعنی عربوں کے ساتھ زیادہ سازگار تعلقات سے پیش آتے ہوئے ان کو بے دخل کرنے کا بندوبست کر لیا[1]۔ جاٹ بیک وقت مغرب سے مسلمانوں اور مشرق سے سندھیوں کی جانب سے زیادہ کمزور ہوئے۔ یہ دراوڑی جو اب عربوں سے متاثر ہو چکے تھے جاٹوں کو جنوب اور مشرق کی طرف آہستہ آہستہ دھکیلنے لگے۔ اب اس نئی ملی جلی برادری میں بلوچ، افغان، منگول اور ایرانی بھی شامل ہوگئے۔ اور جاٹ اس سرزمین کو خیرباد کہہ گئے۔

لیکن یہ قیاس کرنا غلط ہوگا کہ براہوئی بلوچ ہیں۔ یہ بالکل اسی طرح غلط ہے جس طرح یہ کہا جائے کہ عرب یا افغان ایران کے ہیں۔ یہ ان تمام نسلی اجزا کا ملا جلا نمونہ ہیں۔ یہ نظریہ کہ براہوئی اور بلوچ ایک ہیں۔ اس کا پرچار حال ہی میں میر گل خاں نصیر اور ملک صالح محمد لہڑی نے کیا ہے۔ ایک وقت براہوئی سوائے ژوب اور لورالائی اضلاع کے سارے بلوچستان، سندھ اور پنجاب کے ان حصوں پر جہاں اب تک بلوچ آبادی اکثریت میں ہے، حکومت کرتے رہے۔ علاوہ ازیں براہوئیوں اور بلوچوں کے 'دستور' وغیرہ میں بھی ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ لیکن ان کے اختلافات اس مماثلت کے مقابلے

۱۔ انسائیکلوپیڈیا بریٹینیکا ۱۹۵۰ء ایڈیشن حصہ سوم ص، "عربوں نے قدرتی طور پر بلوچستان کے علم الاقوام پر اپنے آثار چھوڑے ہیں"۔

ہیں زیادہ گہرے اور بنیادی نوعیت کے ہیں۔ ان کی زبانوں میں اساس اور ساخت کے لحاظ سے فرق پایا جاتا ہے۔ سماجی اور سیاسی نظاموں میں بھی صورت اور سیرت کے اعتبار سے اختلاف موجود ہے۔ تاریخی طور پر بلوچوں کی اکثریت کبھی بھی براہوئی ریاست کے ساتھ مطابقت پیدا نہ کر سکی۔ اور انھوں نے براہوئی حلقہ سے علیحدہ آزاد ریاستوں کے قیام کو ترجیح دی۔ کچھی کے رند اور مگسی وغیرہ میر نصیر خاں اوّل کے تحت صرف اس وقت وفادار رعایا کی حیثیت اختیار کر سکے جب کہ انھوں نے جداگانہ تہذیبی اور لسانی طبقہ کی صورت منوا لی اور ان کی یہی صورت اب تک برقرار ہے۔ سب سے اخیر میں یہ تسلیم کرنا محض ایک وہم ہے کہ بلوچ رہزن دغارت گر، قزاقوں جن کا ذکر فردوسی نے شاہنامہ میں کیا ہے، اور جن کے خلاف نوشیرواں نے انتقامی کارروائی کی اور تارک وطن ہونے والوں کا پہلا گروہ تھا۔ جو بعد میں براہوئی کہلایا۔ جو برزکوہیوں (البرز پہاڑوں کے رہنے والے) کی تبدیل شدہ صورت ہے۔ فردوسی نے خود شاعری میں اُن روایات کا تانا بانا بُنا ہے جنھیں ہمیشہ تاریخی اعتبار سے صحیح نہیں مانا جاسکتا۔ اس نے واقعی "بلوچ" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ذیل کی تشریحات براہوئی کے لیے پیش کی گئی ہیں:

۱۔ براہوئی فارسی کا ایک قدیم لفظ ہے جس کا مطلب پہاڑی آدمی ہیں۔ یہ بھی بیان کیا جاسکتا ہے

۱۔ صالح محمد۔ بلوچستان، ص ۲۶ سے ۲۸

تاریخ بلوچستان، ہتورام (لاہور، ۱۹۰۷ء) ص ۲۶

همی رفت آگاهی آمد بشاه ۔ که گشت از بلوچی جهانے تباه
زبس غارت و کشتن و تاختن ۔ زمیں را به آب اندر انداختن
دل شاه نوشیرواں شد بغم ۔ بر آمیخت اندوه با خرمے
چو آمد بنزدیک آں برزکوه ۔ بگردید گرد اندرش با گروه
از ایشاں فراوان و اندک نماند ۔ زن و مرد جنگی و کودک نماند
بشد ایمن از رنج ایشاں جهاں ۔ بلوچی نماند آشکار و نهاں

کہ پشتو میں 'روہ' (Roh) کا مطلب پہاڑ اور روہی کا مطلب پہاڑی خطوں میں رہنے والا ہوگا۔

۲- براھویوں کا پیشں رو یا مورث اعلیٰ یقیناً 'بروہو' ہوگا۔ براہیم یا ابراہیمؑ کے نام میں شاذ تبدیلی نہیں ہوئی ہوگی۔ میر گل خاں نصیر اور ملک صالح محمد نے ایک اور تشریح پیش کی ہے وہ کہتے ہیں کہ براھوئی عرب کو خیر باد کہہ کر البرز (جو کہ عربی نام معلوم ہوتا ہے) پہاڑوں کے دامن میں آباد ہو گئے۔ جہاں سے انھوں نے ہمسایہ ایرانیوں پر تاخت و تاراج کی، جس کے باعث عادل نوشیرواں غصے سے بھر گیا اور ان کے خلاف اخراج کی انتقامی کارروائی کی۔ حتیٰ کہ ان کا ایک حصہ بلوچستان کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ جو ساز و سامان، جوانوں اور عورتوں سے محروم کر دیا گیا۔ وہ کس مپرسی اور بے کسی کے عالم میں تھا۔ ان پناہ گزینوں کو مقامی آبادی نے فوراً 'برزکوہی' کے نام سے پکارنا شروع کیا، اور یہی لفظ براھوئی کی حیثیت سے مسخ ہوگیا۔[2] میر نصیر اور ملک صالح محمد اس نظریہ پر کاربند نظر آتے ہیں کہ براھوئی اور بلوچ ایک ہی قوم ہے اس لیے براھویوں کو روایات کے عین مطابق، نسلی اور جغرافیائی اہمیت دے دی گئی۔ اس مسئلہ کا محتاط مطالعہ اس حقیقت کو رونما کرے گا کہ براھویوں کا حقیقی مسکن قلات ریجن سے باہر نہ تھا۔ اس ریجن میں حالات کے دباؤ کے تحت دراوڑی، عرب، منگول، بلوچ، افغان، ایرانی اور دوسرے نسلی گروہ وارد ہوئے۔ یہاں وہ براھویوں میں مدغم ہو گئے اور ان کی کایا پلٹ گئی۔ اس طرح وہ نسلِ انسانی سے بالا ایک تنظیم تھی جس کے رشتے اُس سرزمین سے گہرے تھے جہاں کہ انھیں تاریخی قوتوں نے منسلک کر دیا۔ اس لیے میرا رجحان "بروہی" لفظ کی پہلی تشریح کو ماننے کی طرف ہے۔ تاہم اسے بھی آخری نہیں سمجھا جا سکتا۔ ہوسکتا ہے کہ مزید معلومات حاصل ہوں اور نئی توضیحات سامنے آسکیں۔

---

۱ - براھویوں اور بلوچوں کے مابین دیگر معمولی اختلافات کے لیے ملاحظہ ہو ہتورام، ص ۲۲

۲ - ہتورام، ص ۱۷۶

اس بحث کا اختصار کرتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ لسانی طور پر دراوڑی، شبانی نظامِ حیات کی بنا پر بدوی اور تمدن کے اعتبار سے ایرانی تہذیب سے متاثر ہیں۔ حالیہ مقامی تاریخ نویس ایم۔ ایس خان بلوچ اس مسئلہ پر لکھتا ہے۔" کہ مشہور براھوئی اصطلاح کسی قسم کی کوئی نسلی اہمیت نہیں رکھتی۔ یہ یقیناً مقامیت پر مبنی ہے، جو خاص قسم کی نسل کی سالمیت یا ہیئت سالمہ کا ثبوت بہم نہیں پہنچاتی۔ یہ اصطلاح نسل کی بجائے رتبہ کو ظاہر کرتی ہے۔ یہ 'بروہی' لفظ کا بگاڑ (تصحیف) ہے جس کے معنی ہیں پہاڑوں کا مکین یا پہاڑی ملک کا رہنے والا "۱

۱۔ ہسٹری آف بلوچ ریس اور بلوچستان، ص ۲۶۶

حکمائے قدیم کا فلسفۂ اخلاق

مصنفہ بشیر احمد ڈار ایم۔ اے

عصری تقاضوں کی روشنی میں حقائق تک پہنچنے کے لیے قدیم حکماء کی کاوشوں کا مطالعہ تاریخی حیثیت سے بہت اہم ہے اور اس کتاب میں اسلام سے قبل حکماء کا تقابلی مطالعہ اسی نقطۂ نگاہ سے پیش کیا گیا ہے۔

قیمت: ۶ روپے

ملنے کا پتہ

سیکرٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور